فرحت پروین

تکمیل

میں سمجھ رہی تھی کہ میری بات کا اس پر اثر ہو رہا ہے کیونکہ وہ پورا وقت بڑی خاموشی اور انتہائی انہماک سے میری بات سنتا رہا تھا۔ جب میں اپنا پورا زورِ خطابت صرف کر چکی اور بزعمِ خویش اسے قائل کر چکی تو اٹھ بیٹھی۔ فتح مندی کی سرخی میرے چہرے پر جھلک رہی تھی۔ اپنی بات کے اثر کو مزید پختہ کرنے کے لیے میں نے اپنے تئیں آخری نفسیاتی حربہ استعمال کیا
"دراصل تمہارا ابھی کوئی قصور نہیں۔ آج تک تم پر زیب سے شادی کرنے کے لیے صرف دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے اس زبردستی سے چڑ کر تم بغاوت پر اتر آئے۔ معاملے کا ہر پہلو اس طرح سے سمجھا کر کسی نے تمہارے سامنے رکھا ہی نہیں۔"

جواباً احمد مسکرایا۔ "سچ بتاؤ۔ کتنی فیس ملی ہے تمہیں اس وکالت کی؟"

اور میں آگ بگولہ ہو گئی۔ "میں جو گھنٹے بھر سے تمہارے ساتھ مغز ماری کر رہی ہوں۔ تو یہی اثر ہوا ہے تم پر، چکنے گھڑے، پہلے ہی بک دیا ہوتا۔ مجھے بیوقوف بنانے کو بیٹھے سنتے کیوں رہے۔"

میں نے مزید اضافہ کیا۔ "حقیقت تو یہ ہے کہ تم اس قابل ہو ہی نہیں کہ تمہیں ایسی اچھی لڑکی ملے بلکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ تم سے شادی سے انکار کر دیتی۔ میں اتنی حسین ہوتی تو زمین پر پیر نہ رکھتی۔"

"تو اب سے مت رکھو زمین پر پیر۔ کیونکہ تم اب بھی اس حسن کامل سے زیادہ خوبصورت لگتی ہو۔"

میں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا اور تیزی سے مڑ کر چل دی اور وہ ڈھائی سے ہنسنے لگا۔

بڑی بڑی آنکھیں، بہت ہی خوبصورت اور ستواں ناک، ترشے ہوئے لب۔ بالائی لب کے کنارے پر ننھا سا گول سیاہ تل۔ جیسے کسی نے بڑے اہتمام سے مصنوعی طور پر لگا دیا ہو۔ ان غیر معمولی شاداب سرخی لیے لبوں کے حسن میں اضافہ کرنے کے لیے، بیضوی چہرہ، گندمی رنگ جو خون کی حدت سے تپا تپا سا لگتا، فراخ ماتھا، سیاہ ریشمی بال نہ زیادہ گھنے نہ کم متناسب قد و قامت، جسم اتنا سڈول اور کسا ہوا جیسے پتھر سے تراشا گیا ہو۔ یہ تھا زیب کا سراپا لیکن باپ احمد کی بھی غلط نہیں تھی۔ وہ اتنی خوبصورت ہرگز نہیں لگتی تھی جتنا کہ اسے لگنا چاہئے تھا۔ کہاں کیا کم تھا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کیونکہ اس کی ایک ایک چیز پر الگ

itsurdu.blogspot.com

الگ بھی غور کرو تو کہیں کوئی خامی نہ ملتی تھی۔

زیب اور احمد دونوں میرے ماموں زاد تھے۔ احمد منجھلے ماموں کا بیٹا تھا اور زیب چھوٹے ماموں کی بیٹی تھی۔ بڑے ماموں نیاز بے اولاد تھے۔ میری امی ان کی اکیلی بہن تھیں اور بس۔

بات دراصل یوں تھی کہ چھوٹے ماموں ریاض کا عین نوجوانی میں ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا جب زیب صرف چھ ماہ کی تھی۔ اس وقت نانا نانی بھی زندہ تھے۔ چھوٹی ممانی کی عمر زیادہ سے زیادہ بیس اکیس برس رہی ہو گی۔ سب بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں ورنہ زیب کی والدہ کسی دیور کے پلے باندھ دی جاتیں اور گھر کی بات گھر میں رہتی۔ پرانی روایات کے پابند اس بے حد معزز خاندان نے یہ گوارہ نہ کیا کہ جو لڑکی ایک بار ان کی بہو بن چکی ہے واپس میکے جائے اور ان کی پوتی کسی دوسرے گھرانے میں پلے یا بہو عقد ثانی کرے۔

ادھر میکے میں بھی کون بیٹھا تھا والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ بہن بھائی اپنے گھر بار کے ہو چکے تھے۔ وہاں بھائی بھابیوں کے سر پر رہنا اور سسرال میں رہنا برابر ہی تھا اور پھر منجھلے ماموں روزگار کے سلسلے میں دوسرے شہر چلے گئے۔ نانا جان کا انتقال ہو گیا اور آبائی گھر میں بڑے ماموں ممانی، نانی جان، زیب اور اس کی والدہ رہ گئے۔

نانی جان نے اپنی پوری توجہ زیب کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دی۔ انہوں نے بہت زور مارا مگر زیب نے پڑھ کر نہ دیا اس کی سکول کی تعلیم دوسری تیسری جماعت سے آگے نہ بڑھی نانی جان پورے محلے کے بچوں کو قرآن مجید پڑھاتی تھیں باقاعدہ صبح و شام دونوں ٹائم بڑی لمبی چوڑی کلاس لگتی سو زیب کو بھی وہ قرآن پڑھاتی رہیں لیکن وہ اس قدر غبی تھی کہ اگلا سبق یاد کرتی تو پچھلا بھول جاتی اپنی زندگی بھر تو نانی جان اسے پڑھاتی ہی رہیں اسے کچھ آیا بھی کہ نہیں یہ نہیں معلوم۔ زیب کا یہ غبی پن صرف پڑھائی تک محدود تھا باقی ہر معاملے میں وہ بڑی ہنر مند اور قابل ثابت ہوتی۔ سلائی، کڑھائی، خانہ داری ہر کام سے سلیقہ اور ذہانت عیاں ہوتی۔ نانی جان پوتی اور بہو کا بہت خیال رکھتی تھیں اور زیب تو ان کی خصوصی توجہ کا مرکز تھی نانی جان کی زندگی تک تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ ماں بیٹی کو ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھے۔

زیب کی مصیبتوں کا اصل آغاز نانی جان کے انتقال کے بعد ہوا۔ ادھر نانی جان کی آنکھیں بند ہوئیں ادھر سب نے آنکھیں بدل لیں، اس وقت زیب کی عمر کوئی بارہ سال کے قریب ہو گی۔ بڑے ماموں بے اولاد تھے۔ زیب شروع سے ان کے ساتھ رہتی تھی مگر نہ بڑے ماموں نے اس کے ساتھ اولاد جیسا سلوک کیا اور نہ ہی ممانی کی ممتا جاگی آخر کو تو عورت ہی تھیں۔ وہ دن بھر ممانی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی اور کھانے کے وقت اپنا کھانا لے کر ماں کے کمرے میں چلی جاتی۔ ماں نانی جان کے بعد سے اپنا کھانا الگ پکانے لگی تھی۔ دونوں ماں بیٹی اپنے کمرے میں کھانا کھاتیں۔ اگر کوئی انجان

itsurdu.blogspot.com

آدمی دیکھتا تو کبھی نہ سمجھتا کہ اس کا بڑے ماموں ممانی سے کوئی قریبی رشتہ ہے۔

دراصل زیب سے چڑ کی اصل وجہ اس کی ماں تھی۔ اس کی ماں سے دیورانی، جٹھانی دونوں کو سخت نفرت تھی۔ ایک خوبصورت جوان بیوہ کی موجودگی انہیں خطرے کا احساس دلاتی اور زیب اور اس کی ماں تو لازم و ملزوم تھیں۔ منجھلی ممانی کی تو جان چھوٹی لیکن بڑی ممانی تو جان بھی نہیں چھڑا سکتی تھیں کیونکہ آپا کی گھر یہی تھا اور زیب کی ماں کو یہیں رہنا تھا۔ بڑی ممانی بہانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لڑتیں اور اگر وہ جواباً ایک آدھ بات ہی کہہ دیتیں تو قیامت آ جاتی۔ زیب ماں کی حمایت میں منہ سے تو کچھ نہ کہتی مگر رونا شروع کر دیتی اور بڑی ممانی اور برافروختہ ہو جاتیں۔ ''تمہیں میں نے کچھ کہا ہے کہ تم نے نیر بہانے شروع کر دیئے آنسو تو پلکوں پر دھرے رہتے ہیں کوئی دیکھے تو سمجھے کہ میں کتنا ظلم کرتی ہوں تم پر۔'' اور زیب کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگتے۔ پتہ نہیں چھوٹی ممانی اتنی نفرتوں کے درمیان زندہ کیسے تھی۔ شاید صرف زیب کی محبت کے سہارے اور زیب کو بھی ماں کی محبت کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ ماں کے ساتھ ساتھ زیادتیوں کا نشانہ بنتے بنتے وہ بھی سب کے لیے ایک ناپسندیدہ چیز بن کر رہ گئی کیونکہ اسی کی وجہ سے اس کی ماں کا وجود برداشت کرنا پڑتا۔

زیب نری اللہ میاں گائے تھی۔ خاموش بے زبان، وہ تو جانتی ہی نہیں تھی کہ اپنی مرضی کیا ہوتی ہے بس حکم کی غلام، ہر جگہ خدمت کرنا ہی اس کا شعار تھا۔ چاہے تایا کا گھر ہو چچا کا ہو یا پھوپھی کا، بے کہے سینکڑوں کام کر دیتی۔ اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں جانتی تھی نہ اس نے بچپنے میں کھلا کودا اور نہ لڑکپن میں اور اب جوانی میں تو خیر کیا کھیلتی کودتی ہم ماموں زاد بہن بھائی تقریباً ہم عمر تھے۔ چند سالوں کی چھوٹائی بڑائی تھی جب کبھی اکٹھے ہوتے سب مل کر خوب ہنگامہ برپا کرتے۔ زیب سے تمام تر محبت اور ہمدردی کے باوجود اس کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارہ جا سکتا تھا ایک تو وہ گونگے پن کی حد تک کم گو تھی دوسرے اس بیماری کے ساتھ ماں کی وجہ سے روز ہی کوئے نہ کوئی مسئلہ رہتا تھا۔ بس حال پوچھنے کی دیر ہوتی اور یہ موٹے موٹے شفاف موتی اس کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگتے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اس کا باقی چہرہ تو خاموش اور ساکن رہتا۔ جیسے یہ موتی برساتی آنکھیں کسی اور کی ہیں۔

چال ڈھال اور حرکات سکنات سے مدھم آواز کی مالک زیب کی آنکھیں تیزی سے ادھر ادھر گردش کرتی رہتیں۔ ایک بے کلی اور گھبراہٹ سی ہر وقت اس کی آنکھوں میں سمائی رہتی۔

احمد اور زیب کی نسبت بچپن سے طے تھی مگر ادھر کچھ عرصے سے احمد کے پر نکل آئے تھے اور اس نے ادھر ادھر کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ زیب سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ دراصل وہ بات بڑوں تک پہنچانا چاہتا تھا۔ بات بڑوں تک پہنچی اور منجھلی ممانی کی تو جیسے دلی مراد بر آئی۔ جان چھڑانے کو ایک معقول عذر ہاتھ آ گیا مگر مشکل یہ تھی کہ بڑے ماموں زیب کا رشتہ

غیروں میں کرنے پر راضی نہیں تھے۔

زیب کی بھی مجھے کبھی سمجھ نہ آئی احمد ہے کہ علی الاعلان انکار کیے جا رہا ہے اپنے کانوں سے سنتی پھر رہی ہے مگر ماتھے پر شکن تک نہیں آتی جیسے اس کا سابات سے کچھ تعلق ہی نہ ہو۔ یوں تو اس نے شروع دن ہی سے احمد سے زیادہ بات چیت نہ کی اور کسی دلچسپی کا اظہار نہ کیا مگر اس کی خاموشی خدمت کیے جاتی اور جس میں اس کے انکار سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ ان کے کپڑے دھو رہی ہے استری کر رہی ہے جوتے پالش کر رہی ہے کھانا بنا رہی ہے۔ کمرہ صاف کر رہی ہے۔ میں یہ سب دیکھ کر دل ہی دل میں الجھتی۔ ''کم بخت کو ذرا بھی غیرت نہیں۔ ہمارے ساتھ کوئی ایسا کرتا تو پلٹ کر تھوکتے بھی نہیں کئی بار زیب کو سمجھایا بھی۔ لعنت بھیج ایسے ناقدرے پر۔ کیوں خواہ مخواہ بھاؤ بڑھا رہی ہو اس کا اسی لیے تو اتنا اتراتا ہے۔ بدشکل کہیں کا۔'' پتہ نہیں وہ کس مٹی کی بنی ہوئی تھی اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ بس رونے لگ جاتی الٹا میں شرمندہ ہو جاتی کہ دن رات اسے اور دلانے والے کم ہیں کہ میں بھی اسے رلانے کا سبب بنی۔

مجھے جب بھی موقع ملتا احمد کو سمجھانے کی کوشش کرتی۔ اعتراض تو خیر اس کا بھی بجا تھا کہ زیب تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ ہم اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہتے کہ خوبصورت ہے سلیقہ مند ہے اطاعت شعار ہے مہذب ہے غیر تعلیم یافتہ تو وہ کہیں سے بھی نہیں لگتی اور پھر میں بیسیوں ایسی مثالیں گنوا چکی تھی جن میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز اشخاص کی بیویاں تعلیم یافتہ نہیں تھیں۔ مگر خوب اچھی طرح سے گزر رہی تھی۔ مگر اس پر کچھ اثر ہی نہ ہوتا دراصل اسے والدین کی تائید حاصل تھی۔

سالوں پر سال بیتتے چلے گئے میں تعلیم مکمل کر کے ملازمت کرنے لگی۔ میری بڑی دو بہنوں کی شادیاں ہو گئیں ادھر احمد کی دونوں بہنیں بھی بیاہی گئیں مگر زیب کا مسئلہ احمد کے انکار کی وجہ سے کھٹائی میں پڑا رہا۔ پھر میری بھی منگنی ہو گئی۔

اور پھر ایک معجزہ ہو گیا ہم نے سنا کہ زیب کی شادی احمد کے ساتھ ہو رہی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود احمد نے اپنے والدین سے اس شادی کے لیے کہا ہے۔ والدین بہت ناخوش ہیں مگر بڑے بھائی کے سامنے کچھ بول بھی نہیں سکتے کیونکہ اب تک وہ یہی کہتے آئے تھے کہ ''ہم تو بعد شوق زیب کو بہو بنا لیں مگر لڑکا ہی نہیں مانتا۔'' انہوں نے سوچا تھا کہ زبانی دل رکھنے میں کیا حرج ہے۔ مگر اب تو بساط ہی الٹ گئی تھی۔

ہم نے شکر کیا چلو زیب بیچاری کی تپسیا پھل ہوئی۔ شادی میں پہنچے۔ زیب مسلسل مسکرائے جا رہی تھی احمد بھی خوش نظر آ رہا تھا البتہ ماموں ممانی منہ پھلائے پھر رہے تھے۔ ممانی اپنی کسی ملنے والی کے سامنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔ ''کیا بتائیں بہن! مجھے تو لگتا ہے تعویذ کر دیئے اس کی جادوگرنی ماں نے۔'' ممانی دانت پیس کر بولیں اور جیٹھ جی نے بھی خوب موقعے سے فائدہ اٹھایا۔ بیماری کا سن کر بچے کو حال پوچھنے بھیجا کہ اکیلے ہیں، بے اولاد ہیں۔ دوادارو خدمت کے لیے

کچھ دن رو آئے گا یہ صلہ دیا انہوں نے۔ اکیلا بچہ دیکھ کر ایسی پٹی پڑھائی کہ اس کی مت ہی ماری گئی اور یہ بھی تو دیکھو ادھر اس کے منہ سے ہاں نکلی اور ادھر یہ ڈنڈا لے کر سوار ہو گئے تاریخ رکھ کر چلے گئے صرف ایک مہینے کے اندر خاک تیاری کرتی۔ کوئی رئیس جاگیردار تو ہیں نہیں تنخواہ دار ہیں۔

خود احمد سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ جب میں آیا تو تایا جان بہت بیمار تھے۔ مجھے دیکھ کر رونے لگے کہ "مر گیا تو مرحوم بھائی کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ ایک ہی یتیم بچی کو پروان نہ چڑھا سکا۔ میری اپنی اولاد ہوتی تو کسی کا درد دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم لوگوں سے لاکھ اولاد کی طرح محبت کروں لیکن اپنی اولاد جیسا دعویٰ تو نہیں۔" اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ میرا بہت دل دکھا وہ مجھے بہت تنہا اور مظلوم لگے۔ میں نے کہا تایا جان "اگر آپ ہمیں اولاد کی طرح پیار کرتے ہیں تو میں بھی آپ کا مان رکھوں گا۔" "آپ حکم کریں اور اب حکم کی تعمیل تمہارے سامنے ہے۔

بڑے ماموں کی نفسیاتی اپیل نے کام کر دکھایا مگر دو ہفتوں بعد جب احمد واپس ملازمت پر جانے لگا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ وہ بیوی کو ساتھ نہیں رکھے گا۔ وہ یہیں رہے گی وہ آتا جاتا رہے گا۔ مجھے نہیں معلوم زیب کے دل پر کیا گزری۔ ادھر ساس کو پہلے ہی جبراً وقہراً یہ رشتہ قبول کرنا پڑا تھا۔ اب یہ پتھر مستقل ان کے سینے کا بوجھ بن گیا تو وہ اپنے دل کا غصہ اور بھڑاس نکالنے کے لیے طعن و تشنیع سے لڑائی بھڑائی تک بہو کو پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتیں گھر میں تھا کون جو انہیں روکتا بیٹیاں اپنے گھروں کی ہو چکی تھیں۔ احمد کراچی میں تھا اور میاں کی مجال نہیں تھی کہ گھر بولتا خود چچا کو بھی بھتیجی سے کچھ ایسی دلچسپی نہ تھی۔

احمد آتا جاتا رہتا۔ زیب کے ساتھ اس نے اگر پیار محبت کا برتاؤ نہیں کیا تھا تو ماں کے شکوے شکایتوں کی وجہ سے کبھی ڈانٹا ڈپٹا بھی نہیں تھا اور اس بات سے ماں کو اور غصہ آتا کہ تمہیں ماں کی کچھ پرواہ نہیں تو پھر لے جاؤ اپنی لاڈلی کو۔ خود اس کی کرتوت دیکھو گے تب پتہ چلے گا۔

اب زیب دو بچوں کی ماں تھی۔ بیٹا بھی اگرچہ خوش شکل تھا مگر بیٹی تو بے انتہا خوبصورت تھی۔ ہو بہو زیب کی تصویر۔ مگر وہ ایک نامعلوم سی کمی جو زیب کے مکمل حسن کو ادھورا بناتی تھی۔ بچی میں نہیں تھی۔ وہ مکمل خوبصورت تھی۔ میں تو بچی کو دیکھ کر دیوانی سی ہو گئی۔ "ہائے زیب کتنے خوبصورت ہیں تمہارے بچے اب تو خوش ہونا۔" مگر اتنے سالوں بعد دو بچوں کی ماں بن کر بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ اس کی گھبرائی گھبرائی بے کل سی آنکھوں سے اسی طرح شفاف آبگینے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتے رہے۔

دادی پوتے پوتی کو بھی زیادہ منہ نہ لگاتی۔ معمول کی دانتا کل کل میں جب زیب روتی تو دونوں بچے بھی ماں کے ساتھ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لپٹ کر رونے لگتے اور دادی کو وہ بھی اپنے دشمن لگنے لگتے۔ زیب کی زندگی تو اجیرن تھی ہی لیکن اس جھگڑے میں ممانی نے خود اپنے گھر کا سکون بھی تباہ کر ڈالا تھا۔ پہلے تو خیر ماموں بھی بیوی ہی کے حمایتی تھے مگر پوتے پوتی کی پیدائش کے بعد ان کے رویے میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی بچوں پر تو خیر وہ جان چھڑکتے تھے۔ کبھی کبھار بیوی کو بھی ٹوک دیتے۔ کہ بس کرو بھاگوان۔ بے برکتی ہوتی ہے گھر میں ہر وقت کے جھگڑے سے۔ دیکھو تو اللہ نے کیا چاند سے بچے دیئے ہیں۔ انہی کا منہ دیکھ لو ماں ہے وہ ان کی۔

اور صرف اسی پر ممانی نے انتہا کر دی۔ بیٹے کو بلوا کر مسئلہ سامنے رکھا کہ تمہاری بیوی سر پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ اس کی حمایت میں یہ میری بے عزتی کر بیٹھے ہیں تمہاری بیوی جوان ہے اپنے پاس نہیں رکھو گے تو یہ تو خراب ہو گی سو ہو گی۔ میں بھی گھر چھوڑ دوں گی۔ انہوں نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنایا وہ اسی شام بیٹی کے گھر چلی گئیں اور وہاں پہنچ کر فون کر دیا کہ "اب میں اسی وقت گھر میں قدم رکھوں گی جب یہ اس گھر سے چلی جائے گی۔ مجھے کسی نے آنے پر مجبور کیا تو جان دے دوں گی۔" معاملہ سمجھنے سمجھانے کی حد سے نکل چکا تھا۔ ممانی حسد اور جلن میں پستی کی انتہائی حدوں تک چلی گئی تھیں۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ احمد شادی کے نو سال بعد پہلی بار بیوی بچوں کو ساتھ لے گا اکیلے گھر میں زیب کے جوہر کھلے۔ کھانے پکانے، سلائی کڑھائی سے صفائی ستھرائی سجاوٹ تک ہر چیز سے نفاست اور عمدگی جھلکتی تھی۔ ملنا ملانا بچوں کی تربیت ہر چیز مثالی تھی۔ یہاں تک کہ ساس بھی پرانی رنجشیں بھلا کر اس کے گن گانے لگی۔

میری شادی کو بھی آٹھ سال ہو چکے تھے۔ میں بھی دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ کافی عرصے بعد سب لوگ چھٹیوں میں جمع ہوئے تو جیسے پرانے دن لوٹ آئے۔ وہی ہنگامے وہی دھما چوکڑی، زیب اور احمد بھی آئے۔ بڑے ٹھاٹھ تھے ان کے وہ خوب اچھا پہننے اوڑھے ہوئے تھے۔ آنا جانا بھی ہوائی جہاز سے ہوا تھا۔ چلو شکر ہے اس غریب کے بھی دن پھرے اب تو کوئی پریشانی کوئی الجھن نہیں تھی۔ ذرا فرصت سے بیٹھے تو میں نے زیب سے پوچھا "اب تو خوش ہو نا چلو اب کچھ مزے مزے کی باتیں سناؤ۔ اپنے شوہر نامدار کی کراچی کی۔ ادھر کی ادھر کی۔"

مگر یہ کیا؟ حسب معمول اس کا جواب پھر وہی آنسو۔ مجھے کوفت ہونے لگی اور اس کے رونے پر ترس کے بجائے غصہ آنے لگا۔ "کیوں اب کیا ہے؟" مگر وہاں وہی ایک جواب تھا صرف آنسو۔

"اب پتہ چلا احمد زیب کتنی اچھی بیوی ہے۔"

"تو تم ابھی تک اس کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہو۔"

"اگر دو فقرے تعریف کے کہہ دو گے تو تمہاری شان میں فرق آ جائے گا کیا؟" بخیل کہیں کے۔

itsurdu.blogspot.com

''تم خوش ہوتی ہو تو کہہ دوں گا۔ اتنے عرصے بعد ملے ہیں پھر بھی وہی بحث۔ لڑاکی کہیں کی۔''

مگر صاف پتہ چل رہا تھا کہ احمد نے اسے آرام و آسائش تو مہیا کر رکھی ہے مگر وہ اس کے دل میں جگہ نہیں پا سکی۔ زیب کے آنسو میری سمجھ میں آنے لگے۔

احمد تو ایک ہفتہ رہ کر چلا گیا اور زیب بچوں سمیت چھٹیاں گزارنے کے لیے رک گئی۔ ابھی دس دن پہلے وہ اور بچے واپس کراچی گئے تھے۔ اور صرف دس دن بعد آج صبح اس کی لاش پہنچ گئی۔ زیب مر گئی کسی کو یقین ہی نہیں آتا تھا۔

دس دن پہلے جب وہ واپس گھر پہنچی تو وہاں اسے احمد کی دوسری بیوی موجود ملی اس نے دوسری شادی کر لی تھی۔ یقیناً پہلے سے کچھ سلسلہ چل رہا ہوگا۔ پتہ نہیں اس کے دل پر کیا قیامتیں گزریں۔ وہ جس نے زندگی میں صرف غم دیکھے تھے چوٹیں سہی تھیں اور جو سمندروں جیسے دل اور پہاڑوں جیسے جگر اس میں رکھتی تھی جس نے سب غموں کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں یہ غم نہ سہار سکی۔ وہ ہر چوٹ ہر وار سہتی گئی۔ مگر شاید اپنی بے ریا اور بے انتہا گونگی محبت کی توہین برداشت نہ کر سکی۔

آج زیب کا دائرے کا سفر ختم ہو چکا تھا۔ دکھوں کا دائرہ غموں کا دائرہ۔ اس نے کسی کو اپنے رازوں کا امین نہیں بنایا کسی کو اپنے غموں میں شریک نہیں کیا۔ میں نے بہت چاہا کہ اس کے دکھ بانٹوں وہ مجھے راز دار بنائے لیکن شاید خوف و ہراس کے سائے میں پروان چڑھنے والی زیب نے اپنے جذبات کو بیان کرنے والی زبان سیکھی ہی نہ تھی۔ میرے ہر سوال کا جواب صرف اس کے آنسو ہوتے تھے آنسو غم کے اظہار کا ذریعہ تو ضرور تھے مگر ان کی زبان اتنی بلیغ تو نہ تھی کہ میں جان پاتی کہ یہ پرانے زخم سلگ رہے ہیں یا کوئی نئی چوٹ لگتی ہے۔ میں جب بھی زیب کو تصور میں لاتی تو اس کی وہی آنسو برساتی تصویر ابھرتی۔ مگر پھر بھی وہ تصویر زندہ تو تھی متحرک تو تھی۔ میں اسے لاش کی صورت میں کیسے دیکھتی۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

جنازہ اٹھنے والا تھا۔ سب لوگ آخری دیدار کر رہے تھے۔ اتنی جوان موت پر کیا اپنے کیا غیر سب اشکبار تھے۔

''آ، آخری بار مل لے اپنے بچپن کی ساتھی کو۔ پھر کہاں یہ صورت دیکھے گی۔'' زیب کی ماں نے میری طرف بازو پھیلا کر بین کرتے ہوئے کہا اور میری چیخیں نکل گئیں۔ جیسے ہی میں جنازے کے قریب پہنچی تو میں حیران رہ گئی۔ زیب کے چہرے پر شہزادیوں جیسا وقار تھا اتنی خوبصورت تو وہ زندگی بھر کبھی نہیں لگی تھی۔ اس کا حسن بالکل مکمل تھا کہیں بھی کچھ کم نہیں تھا اور اس کی تیزی سے گردش کرتی ہوئی گھبرائی گھبرائی بیکل آنکھیں بڑے سکون سے بند تھیں۔

❖❖❖

itsurdu.blogspot.com